

سلسلہ مطبوعات ادارہ ادبیات اُردو شمارہ (۲۹)

سلسلہ مطبوعات شعبہ نسوان شمارہ (۳)

سویلی مال

محترمہ رابعہ بیگم صاحبہ

(منزل اوار اللہ)

۱۹۳۹ء

مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس حیدرآباد دکن

ملنے کا پتہ

سب سے کتاب گھر - رفعت منزل خیر آباد

(قیمت - ۴ روپے)

شعبہ نسوان کی دوسری مطبوعہ

مذرولی

لیئے حضرت دلی اور رنگ آبادی کے حالات اور کلام پر تحقیقی و تنقیدی مضامین

از

جہاں بانو بیگم ام اے - لطیف النساء بیگم ام اے

نعیم النساء بیگم ام اے - نجم النساء بیگم ام اے

۲۴۸ صفحات - نہایت نفیس جلد - قیمت عال ۸/

مذروکن

جس میں دکن سے متعلق خواتین دکن کے رشحات قلم کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے

اس کے مضامین نظم و نثر کی طرح اس کی تصویریں بھی نسائی ذوق لطیف کی بہترین آئینہ دار ہیں

اس کو معتد شعبہ نسوان محترمہ سکینہ بیگم صاحبہ نے بڑے سلیقہ سے مرتب کیا ہے

۱۰۴ صفحات - جلد قیمت ۴/

فہرست

مقدمہ

از

محترمہ بشیر النساء بیگم صاحبہ

(صفحات ۵ تا ۸)

۹	ماں اور سوتیلی ماں	۱
۱۳	ارث و ماحول	۲
۱۶	فطرت	۳
۱۷	بچوں اور ماں کے اعزہ و اقربا	۴
۲۲	سوتیلی ماں	۵
۲۹	باپ	۶
۳۷	دوسری بیوی لانے سے قبل	۷
۴۴	سوتیلی بچے	۸
۴۸	خاتمہ	۹

مقدمہ

انسان اگر ٹھنڈے دل سے غور کرے تو ان تمام مشکلات کا حل معلوم کر سکتا ہے جو خود اس کی اپنی لاپرواہی اور سطح نظری کے سبب پیدا ہو جاتی ہیں، دنیا میں غور و فکر بھی ہدایت کا بڑا ذریعہ ہے، لیکن مشکل تو یہ ہے کہ اس کے لئے بھی کافی سمجھ، ہودت، طبع، اور وقت کی ضرورت ہے، کم نصیبی سے یہی وہ چیزیں ہیں جو اس دور میں بڑی دقت سے مینبر آتی ہیں، کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو موجودہ تہذیب کی گونا گوں مصروفیتوں کے باوجود اس کے لئے وقت نکال ہی لیتے ہیں، اپنے بگڑے ہوئے ماحول کو سنوارنے کی نہ صرف کوشش کرتے ہیں، بلکہ اپنے نتائج فکر سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتے ہیں، اصلاح معاشرت کا یہ کتنا پاکیزہ طریقہ ہے! بشرطیکہ خدا کسی کو یہ توفیق نیک عطا کرے۔

اس سلسلہ میں مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ محترمہ رابعہ بیگم صاحبہ

(محل محمد انوار اللہ صاحب) نے ایک نہایت اہم و ضروری موضوع یعنی ”سنوئیلی ماں“ پر ایک مختصر مگر جامع کتاب لکھی ہے۔

محترمہ موصوفہ کی ہستی ملک کے علم دوست طبقہ میں محتاج تعارف نہیں، آپ نے اپنی خداداد اور مسلمہ قابلیت سے ”محبوبہ گرلز ہائی اسکول حیدرآباد دکن“ کی طالبات کو حبشیت معلمہ عرصہ دراز تک مستفید فرمایا ہے، دکن کی مشہور اہل قلم خواتین میں شمار ہوتی ہیں، آپ کے اصلاحی، معاشرتی، مذہبی مضامین اور نظمیں اکثر ملک اور بیرون ملک کے ممتاز رسائل میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اسلوب بیان سنجیدہ اور دلکش ہے۔

”ماں اور سنوئیلی ماں“ یہ عنوان خود ایسے متضاد الفاظ کا مرکب ہے جو کتاب پڑھنے سے پیشتر راحت و مصیبت کی دو تصویریں بہ یک وقت پیش کر دیتا ہے۔ ”ماں“ کا تصور جہاں ایک غیم فانی، بے لوث محبت کا مظہر ہے وہاں ایک لفظ ”سنوئیلی“ کا اضافہ کتنے ہیسیب تصورات، انسانی ذہن کے سامنے پیش کر دیتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ نشنہ اتنا تباہ کن نہیں جس قدر کہ بنا دیا گیا، کیونکہ اس کے متعلق جو نفرت آمیز اشتعال انگیز اقوال، زبان زد خاص و عام ہیں ان کے تاثرات ابتدا سے ہی ہر ایک دل میں فطری طور پر،

پرورش پاتے رہتے ہیں اور جب ان رشتوں سے سابقہ پڑتا ہے تو آزمائش کے بغیر فریقین ایک دوسرے کو اپنا دشمن یا مخالف سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اس کے بعد جس قدر نا انصافیاں اور مظالم سرزد ہوتے ہیں ان سب کے محرک وہی باغیانہ جذبات ہوتے جو اس رشتہ سے قبل ہی دلوں میں پرورش پاتے رہے، تاوقتیکہ ان خیالات کی اصلاح نہ ہو جائے، سو نیلے رشتوں کے درمیان خوشگوار تعلقات کا قائم ہونا یکسر ناممکن ہے۔

اسی اساسی خیال کے تحت قابل مصنف نے ہماری معاشرت کے بعض ایسے نازک اور اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جن سے ناواقفیت کے سبب اکثر خانگی زندگیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔

بہر حال اُن صاحبِ اولاد اشخاص کے لئے جو اپنی بیوی کے انتقال کے بعد اپنے گھر کو دوبارہ آباد دیکھنا چاہتے ہوں اس کتاب میں نہایت مفید و کارآمد مشورے ملیں گے، اور ہر ایک پہلو پر معقولیت کے ساتھ نفسیاتی نقطہ نظر سے بحث کی گئی ہے، بے جا مروت اور جانب داری کا کسی جگہ شائبہ تک نہیں پایا جاتا، ایک جگہ کیا خوب فرماتی ہیں:—

”دنیا میں قصادات کی جراثیم تلخی ہے، اگر سب متحقق ہستیاں

ایک دوسرے کے حقوق پر نظر رکھیں تو ناخوشگوار واقعات
پیش ہی نہیں آسکتے۔“

محترمہ کا یہ خیال نہایت منصفانہ اور اسلامی قانون کے عین مطابق ہے
افسوس تو یہ ہے کہ اس کے سمجھنے والے بہت کم اور عمل پیرا شاذ ہی نظر آتے ہیں
خدا ہر انسان کو خواہ اس کا تعلق کسی مذہب سے ہو اپنے مذہب کے قانون
و اصول کو سوچنے سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے، بہر حال اس
کتاب کے مطالعے کے بعد میرا خیال ہے کہ اُن گھروں میں جہاں سوتیلے
رشتوں کے سبب زندگیاں تباہ ہو رہی ہیں، مرد ٹھنڈے دل سے اور عورتیں
تعصب اور تنگ نظری سے ہٹ کر اس کتاب کو غور سے پڑھیں تو عداوت
محبت سے، بغض و حسد، حسن سلوک سے بدل جائے۔

نوش رہتا چاہتے ہو تو دوسروں کو خوش رکھو۔ مسرت کا سارا

راز یہ ہے۔

بشیر النساء، سلیم بشیر

ماں اور سوتیلی ماں

بڑھے بوڑھے کہا کرتے ہیں کہ ”ماں“ کہنے میں دونوں ہونٹ مل جاتے ہیں جو دلیل ہے اس بات کی کہ یہ رشتہ تمام تعلقات سے قریب تر و شیریں تر ہے، کوئی شک نہیں کہ اس رشتہ کی شیرینی جیسی لب بند کرنے والی، اس کی قربت جیسی روح کو بالمیدہ بنانے والی ہے کوئی تعلق، کوئی رشتہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر تو انہیں کو ہو سکتی ہے جو ماں کو کھو چکے ہوں۔ ماں کا وجود سراپا رحمت اور اُس کی محبت کا خوش اثر و نیک انجام ہونا یقینی ہے۔ برخلاف اس کے سوتیلی ماں کا رشتہ تمام رشتوں میں بعد و تلخی کے اعتبار سے زباں زدِ خاص و عام ہے۔ اس کا تلخ تعلق سمیت سے جلو اُس کا قرب کا ہیش جان، اس کی ہستی ہمہ تن دھمت، اس کے طرزِ عمل کے تاثرات کا بد نتیجہ ہونا امرِ حقیقی خیال کیا جاتا ہے۔ سوتیلی ماں وہ پُر مہول

ارتعاش انگیز مرقع ہے جس سے روح دہل اُٹھے۔ وہ حیات سے عاری سنگین مجسمہ ہے جس کو لطیف سے لطیف جذبہ بھی متاثر نہ کر سکے وہ ایک ایسی مشین ہے جو اپنے ہی کل پرزوں کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیتی ہو۔ ایک ایسا شکنجہ ہے جو قریب ہوتے ہی آنیوالے کو جکڑ ڈالے۔ طوفان خیز باران اور خرمن سوز بجلی۔ غرض سوتیلی ماں کو جو بھی کہئے عام ذہنیت کا اس پر صادم ہے۔

سوتیلی ماؤں کی حیثیات جداگانہ ہیں۔ مگر اس وقت میری مراد ایسی سوتیلی ماں سے ہے جو بچوں کی ماں کے فوت ہونے پر لائی گئی ہو۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ سوتیلی ماں اوز بچوں کے تعلقات کے ناکفہ بہر نتائج ظاہر ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں۔ اگرچہ موجودہ تعلیم سے آراستہ اور مہذب دور میں بے شبہ اس کے پکیرنے بھی ایک اصلاحی جامہ زیب تن کر لیا ہے۔ مگر خاموش میں گوشہ دل چور ہوئے ہیں۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اکثر وبیشتر گھروں میں اس تعلق کے مانوس گوارا اثرات ہر متعلقہ ہستی کے لئے عذاب جان اب بھی بے ہوش ہیں۔ اگرچہ متعدد اصحاب موضوع یا لاپرواہی سے آزماتیاں کر چکے ہیں مضامین

لکھے گئے، افسانے تحریر ہوئے، ناولوں پر خامہ فرسائیاں کی گئیں۔ مگر اتنا کہنے پر میں مجبور ہوں کہ سب بس ایک لکیر کو پیٹتے رہے ہیں کہ سوتیلی ماں آئی، باپ اس کے ہاتھ میں کٹ پتلی بن گیا۔ اس نے بچوں کیساتھ ظالمانہ، ہیمنہ سلوک شروع کر دیا۔ کوئی بچہ راہی عالم بقا ہوا۔ کوئی دائم المریض بن کر عمر بھر کے لئے بے کار ہو گیا۔ کسی کو ایسے سُمرال اور شوہر کے حوالے کر دیا گیا جو اس کے لئے دوسرا جہنم ثابت ہوا۔ کسی کو محروم اللہ کر کے حیران و سرگرداں، سر پہ صحرا چھوڑ دیا گیا۔ بہر حال وہ ستم کا رانہ درندگیان کہ الاماں! الحفیظ!!۔

یہ باتیں خالی از صداقت اور مبالغہ بے بنیاد ہرگز نہیں، بالمشک سیکڑوں معصوم ہتھیلیاں سوتیلی ماؤں کے دستِ ستم کی بھینٹ چڑھ گئیں ہیں مگر سوال یہ ہے کہ کیا اس کی ذمہ دار صرف ایک ہی ہستی ہے؟ اگر اسی کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کے انداد کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ اس ہستی کو خارِ راہ بننے ہی نہ دیا جائے۔ صاحبِ اولاد اشخاص بچوں کی ماں کے آلاف کے بعد اپنی زندگی بچوں کے لئے وقف کر دیں۔ مگر ایسا نہیں ہوا، نہیں ہوتا اور فطر تا نہیں ہو سکتا۔ جب یہ رشتہ ناگزیر ہے

تو پھر یہ امر غور طلب ہے کہ وہ کون سے اسباب اور وہ کون کون غمزدہ
ہستیاں ہیں جو اہل الاصول ہیں اور جن کے کندھوں پر اس رشتہ کے
شیریں و خوشگوار یا تلخ و ناگوار بنائے کا بوجھ ہے سب سے پہلی
چیز ہے ارث و ماحول۔



ارث و ماحول

جس گھر میں انسان پیدا ہوتا، جس فضا میں پلتا، بڑھتا ہے اسکے اثرات نہایت استحکام و پختگی کے ساتھ اس کے دل و دماغ میں جائے گیر ہوتے چلے جاتے ہیں اور ان کے تواتر و مداومت سے فطرتِ انسانی طبیعت کا پیکر اختیار کر لیتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ عادتِ طبیعتِ ثانی کا حکم رکھتی ہے۔ علم و جہل، ظلم و رحم، دانش و نا فہمی، حق شناسی و ہٹ دھرمی، حق طلبی و حق رسانی، ایثار و خود غرضی، حسد و فراخ ولی، نفاقیت و نفس کشی، حرص و ممانعت، وسیع الخیالی و تنگ نظری، ربو بیت و خود پروری، نیکی و حسن سلوک، ضبط و غصہ، نرم کلامی و تیز زبانی، تحمل و شعلہ خونی، مذہبیت و الحاد، خوفِ خدا و نا خدا ترسی، شرم رسول و محاسبہ نفس، فکرِ عاقبت و پاس دنیا۔ یہ سب باتیں انسان اپنے ارث و ماحول سے اخذ کرتا ہے۔ اگرچہ اس کے متعلق ایک کلیہ نہیں قائم کیا جاسکتا۔ کیونکہ کبھی ولی کے پیٹ میں شیطان اور شیطان کے پیٹ میں ولی جنم لیتے ہیں۔ نا اہلوں کی اولاد اہل اور صالحوں کی

اولاد طالح نکلی ہے۔ بُرے ماحول اور بد طینتوں کی صحبت میں رہ کر بھی اکثر افراد مایہ الاقربا زکروار کے حامل ہوئے ہیں۔ مگر ان ذکاوت مندوں کا لغو وقت اکثریت کو حاصل ہے اور اکثریت کلیہ کا حکم رکھتی ہے۔ ادبی مذاق رکھنے والے خاندان سے ادیبوں کی پیداوار عینی مشاہدہ ہے۔ شریف النفس بزرگ سیرت اسلاف کے اخلاف بھی اکثر انہیں کے قائم مقام ثابت ہوئے ہیں۔ نیک طینتی وراثتاً پشت بہ پشت عجیب عجیب مظاہرے دکھاتی رہی ہے۔ غصیلے حاسد، موذی، مستبد، پست عادات، بد اخلاق والدین کی اولاد کا بھی انہیں کے نقش قدم پر کام زن ہونا امر بدیہی ہے۔ سپاہی کا بیٹا سپاہی اور چور کا پوتہ بالعموم چور ہی نکلتا ہے۔ الغرض انسان جو کچھ اپنے ارث و ماحول سے حاصل کرتا ہے اس پر راؤ تا ہی نہیں بلکہ بلا ارادہ غافل ہونے پر مجبور ہوتا ہے۔ پس نہایت ضروری ہے کہ یہ رشتہ قائم کرنے سے پیشتر فریقین اس امر کا بخوبی اطمینان کر لیں کہ جس خاندان میں وہ عمر بھر کے لئے سلسلہ قربت باندھ رہے ہیں وہ کس سیرت و کردار کے افراد کیسے ماحول کے معاشرہ اور کن صحبتوں کے خوگر ہیں۔ لڑکی والوں کی ناقابل معافی

غلطی ہے کہ شرافت ذاتی اور اوصافِ اکسائی سے اغماض کر کے ہمیں طلبِ امارت اور طلبِ منفعت کی خاطر کئی زندگیوں کو بے چینی کی قربانی بنانے کا سبب بنیں۔ اسی طرح فریقِ مقابل کا دشمنیگی، حسن و جوانی، مال و متاع جائیداد، املاک، منصب، جاگیر، سونے، موتی، گھوڑے، جوڑے کے لالچ میں وقتیہ خطِ نفس و خیالی آسائش کے تحت چند معصوم جانوں اور ایک ناکرہ گناہ مہتی کو قعرِ جہنم میں دھکیل دینا انتہائی نفس پرستی، غایتِ وجہ سنگدلی اور خباثتِ ازور گذر کو تہِ مہینی ہے۔ ہر دو فریق کا فریضہ ہے کہ شہرہ بتوازنِ آس قائم کرنے کی بجائے حکمت، بنور و تدبیر کو شش کر میں کیونکہ مکارمِ اوصاف و نیائے معاشرت میں بجائے خود ایک زبردست ادیب اور کامیاب مصلح ظاہر ہوئے ہیں۔ اس صورتِ خاص میں بھی فریقین کا شرفِ نفس اور علو کردار گھر کی دنیا کی کایا پلٹ دے سکتے ہیں۔

فطرت

فطرتاً اس تعلق میں بُعد و بیگانگت موجود ہوتی ہے۔ قرابت اور انکی قرابت جدا جا حیثیات ہیں جن میں فطری طور پر خوشگوار و شیریں، مستحکم و پُر از محبت بنانے والے خون کا جوش ہے جیسے اولاد، ماں، باپ، بھائی، بہن، نانا، نانی، دادا، دادی، ماموں، چچا، پھوپھی اور پھر خالہ، ماموں، پھوپھی، چچا زاد وغیرہ۔ جوں جوں خون کا قُرب کم ہوتا جاتا ہے تعلق خاطر بھی کم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جن دوستیوں میں کوئی رشتہ ہی نہ ہو ان میں قلبی لگاؤ کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ مثلاً دو بیگانہ مرد یا دو بیگانہ عورتیں ایک اجنبی عورت یا ایک اجنبی مرد، ایک نا آشنا ہستی یا کئی نا آشنا ہستیاں ان میں تعلق پیدا ہوتا ہے معاملے یا کسی اور خارجی سبب سے جیسے میا بیوی، سوتیلی ماں اور بچے، دوست احباب، ہمسائے اہل ملک، اخوانِ ملت اس قسم کے تعلق کو خوشگوار بنانے والی چیز باہمی حسن سلوک اور رواداری ہے اور یہ اس وقت ظہور میں آسکتا ہے جبکہ جانبین حق شناس و حق گزار ہوں۔ سوتیلی ماں بچوں کی کشیدگی تعلقات کی ایک بڑی جہاں گزشتہ حق شناسی اور عدم حق گزارگی ہے۔

بچوں اور ماں کے اغزہ اور باؤ وغیرہ

اغزہ کے ساتھ احبابِ قدیم ملازم، آیا، اتنا، درمیانی نوکر چاکر آنے جانے والے وغیرہ سب شامل ہیں۔ یہ بالکل حقیقت ہے کہ ناخوشگوار یوں کی تخلیق و پرورش میں بچوں کے عزیزوں کا بہت زیادہ دخل ہوتا ہے یہ وہ نکتہ ہے جس پر آج تک کسی کی امعانی نظر نہیں پڑی ہے جس قدر یہ امر سرسری سمجھا گیا، محض جذباتِ محبت پر محمول کیا گیا ہے اسی قدر اہم اور رسمی اثرات سے بھرا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے ”محبت اندھی ہوتی ہے“ محبت کا اندھا پن جس قدر اس موقع پر خطرناک اور بد انجام ظاہر ہوتا ہے شاید ہی کسی اور موقع پر ہو۔ نادان دوست دشمن برابر۔ جاہلین یعنی سوتیلی ماں اور بچوں کی آنکھوں پر خیر خواہی اور جوشِ محبت کے نقش و نگار کا پردہ ڈالا جاتا ہے مگر درحقیقت وہ کھلی ہوئی دشمنی اور زہریلے سانپ بچھوؤں سے پٹا ہوا جنگل ثابت ہوتا ہے۔ ماں کے آنے سے پیشتر ہی غم و الم، ماتم و وادیلہ برپا ہو جاتے ہیں۔ بچوں کو کھیتے

چمٹا چمٹا کر آنسو بہائے جاتے ہیں، ٹھنڈے ٹھنڈے سانس بھرے جاتے ہیں۔ بد قسمت و بد نصیب بچوں کے نام سے ان کو خطاب کیا جاتا ہے ان آوازوں سے ان کے کان بھرے جاتے ہیں کہ مائے ان کی ماں جیتی ہوئی تو سوتیلی اماں کے ہاتھ میں جلنے بھننے کو کیوں بھنتے۔ چاروں میں باپ کی نظر پھیرے گی۔ اب گھر اس کا در اس کا خزانے کا سانپ بن کے وہ بیٹھے گی۔ ان کا حق بوجھنے والا کون ہے۔ باپ کا دوسری شادی کرنے کا خیال ہی پہلی سسرال میں ایسا زبردست گناہ تصور کیا جاتا ہے جو معاف کرنے کے قابل نہ ہو۔ نہ صرف ملنے بلکہ وہ صورت دیکھنے کے بھی لائق نہیں سمجھا جاتا۔ سوتیلی ماں کا نام تحقیر انگیز اور اس کا ذکر تفرح خیز ہوتا ہے۔ بچے سمجھنے لگتے ہیں کہ سوتیلی ماں کوئی آفت آسمانی اور بلائے ناگہانی ہوتی ہے۔ ان احمقانہ ہمدردیوں کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ بچوں کے دل میں دہشت، نفرت، شبہ، عدم اعتماد، سرکشی اور نہ صرف بیگانگت بلکہ عداوت کے احساسات جائے گیر ہوتے ہیں۔ جن کا رشتہ کے ساتھ ہی عملی صورت میں اظہار شروع ہو جاتا ہے۔

آنے والی ماں کے دل و دماغ بھی انہیں خیالات اور اسی قسم کی آوازوں سے بھرے ہوتے ہیں کہ بابا سوت ہو، سوت کے پوت نہ ہوں۔ سوتیلے بچے سانپ کے سنیو لے کبھی سینے نہیں دیتے۔ سوتیلے بچوں پر دینے سے تو کنویں میں دھکیل دینا ہزار درجہ بہتر ہے کہ ایک ہی دفعہ مر جائے گی۔ یہ ہر آن کے ملک الموت اور رات دن کی جاں کنی میں تو نہیں پھنسے گی۔ ماں بھی بچوں کو لائق متفرق قابل اعتماد آفت جان اور سدراہ مقاصد خیال کرنے لگتی ہے۔ جب بلا سا بقیہ دونوں طرف سے دل باہم مشتبہ و متفرق ہو جائیں تو پھر خوش ملی ورواداری کے ساتھ نباہ کی گنجائش ہی کہاں باقی رہی! معاملہ سے پہلے ہی نفرت اپنا عمل شروع کر دیتی ہے، اور شبہ اتنی بھی فرصت نہیں دیتا کہ ایک دوسرے کو ٹھنڈے دل سے حقیقی طور پر آزما ہی لیں۔ نہ صرف رشتہ کرنے سے پہلے ہی اس قسم کی باتیں ہوتی ہیں بلکہ بچوں کے اعز ابائی اور شدت کے ساتھ اس کو تلخ سے تلخ تر بنانے میں حصہ لیتے ہیں یا تو ملتے ہی نہیں یا سلسلہ آمد و رفت رہے تو آنے والی کو کھاتے، پیتے پینتے، اوڑھتے، خوش و خرم دیکھ کر قسم قسم کے آوازے کستے ہیں۔

اشارات، کنایات، الفاظ میں ناگواریوں کا اظہار ہوتا ہے۔ حسرت و حرام، رشک، حسد اور طعن کی نگاہوں سے اسے برمایا جاتا ہے ایسے طعن طعنہ کئے جاتے ہیں کہ گویا مرنے والی سے ان کے محروم ہونے کا اصل سبب وہی ہے۔ بچوں سے ماں کی رفتار، گفتار، کردار، برتاؤ کے متعلق عجیب ناروا طریقے سے سوالات کئے جاتے ہیں۔ پسند و نضاح کے ذریعے لے لے کھول دئے جاتے ہیں کہ ہائے بے ماں کے بچے ہیں ان کا دل نہیں دکھانا چاہیے، خدا نا خوش ہوتا ہے، عرش کا لنگرہ ہل جاتا ہے، ساس مت کر بُرائی تیرے آگے بھی ہے جانی۔ غرض سوتیلی ماں سے توبہ شدت یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ بچوں کے لئے فرشتہ سے بھی بالاتر ہو جائے۔ مگر کبھی بھولے سے بھی بچوں کو توجہ نہیں دلائی جاتی کہ انھیں ماں سے کس طرح پریش آنا چاہیے۔

کس قدر غیر منصفانہ خیال اور ناروا عمل ہے کہ بچوں کی ماں تمہارے عیش، عشرت، آرام، آسائش، زینت، زیبائش، اقتدار، اختیار کی بے تکلف مستحق، جیسا سلوک جس کے ساتھ وہ کرے برسرِ حق۔ مگر اسکی نشانی ان کے نقطہ نظر سے ہر چیز کی نہ صرف غیر مستحق بلکہ اسکو اپنے تمام حقوق سے

محروم ہو جانا چاہیے۔

علاوہ ازیں نانی، دادی، خالہ، پھوپھی وغیرہ بچوں کی حامی بن جاتی ہیں۔ اور بات بات میں پشتی لے کے ماں کے خلاف انھیں سرکشی پر کھڑا کر دیتی ہیں، یا ماں سے بالکل الگ کر لیتی ہیں۔ مگر چونکہ اس غاصبی علیحدگی سے رشتہ تو منقطع نہیں ہو سکتا۔ ماں سے نہیں تو باپ سے تعلقات گوارا یا ناگوار قائم رہتے ہی ہیں۔ معاملات پیش آتے ہی ہیں چونکہ درمیان میں نفرت کے پہاڑ اتادہ کر دیے جاتے ہیں۔ قدم قدم پر ہر دوزخ کے مخالفانہ احساسات پوری قوت سے رونما ہوتے رہتے ہیں۔ بعض وقت یہ نزاعی کشمکش خانگی حدود سے گذر کر عدالتی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

سوتیلی ماں

سوتیلی ماں کی ہستی اس معاملہ میں نہایت اہم اور ذمہ دار ہوتی ہے۔ اس میں یہ احساس ہونا چاہیے کہ گھر کی قہرسم کی تلخی اور ناخوشی کے دور کو نیکاً زیر دست ذریعہ اس کا وجود ہے۔ اس کا طرز عمل جس گھر میں وہ جائے اس کو جنت بھی بنا سکتا ہے اور جہنم بھی رحمت بھی اور زحمت بھی۔ اگر اپنی کوتاہ بینیوں سے وہ گھر کو جہنم بنا دے تو اور گھر والوں کے ساتھ خود بھی بغیر ٹھنکے نہیں رہ سکتی اور اس کی غائر نظری اپنے گھر کو جنت بنا لے تو اس کی خوشگوار تازہ نخلتہ سا ہوا میں خود اس کے مشام جان کو بھی معطر کریں۔ وہ رحمت بن کر مطمئن اور زحمت بن کر مضطرب الحال اوڑں کے ساتھ آپ بھی رہے گی۔ لہذا شوہر بچے، خود، جانین کے عزیز و اقارب دوست احباب کی آرائش و طمانیت کی بڑی ذمہ دار وہ خود ہے کیونکہ عموماً ماں بچوں سے سن و سال، عقل و دانش، علم و تجربہ میں بڑھی ہوئی ہوتی ہے گھر والے سے بہ اعتبار کار و بار بہ لحاظ معاشرت اس کو قوت

زیادہ ہوتی ہے۔ گھر کی حد تک امورِ عامہ میں مختارِ کل وہی ہوتی ہے۔
 ملتِ جلت، لین دین، انتظامِ اہتمام نوکر چاکر کے معاملات میں
 اس کے اختیارات کا وسیع ہونا ضرورتاً لابد ہے۔ عام مقولہ ہے کہ بیوی
 گھر کی ملکہ ہوتی ہے لیکن صرف ملکہ کہہ دینا اس کی فلسفیانہ تعریف نہیں ہو سکتی
 اس کی تو شخصیت، وزیرِ ریاست اور دستورِ ریاست سے بھی زیادہ اہمِ ثنیت
 رکھتی ہے۔

مرد اپنے حالات و ضروریاتِ تحصیلِ معاش اور کاروباری مصروفیتوں
 کی وجہ سے مجبور ہے کہ اپنے وقت کا اکثر و بیشتر حصہ گھر کے باہر صرف کرے چونکہ
 وہ لکڑی کا ایک کندہ بن کر گھر میں پڑا نہیں رہ سکتا۔ گھر کے تمام جزئی و اقصائی
 سے باخبر بھی نہیں ہو سکتا اس لئے بروقت ان کی اصلاح کا ذمہ دار بھی نہیں
 گردانا جاسکتا۔ چونکہ گھر میں اختیاراتِ عامہ بیوی کو حاصل ہوتے ہیں اگر غور
 کیا جائے تو سوتیلے بچوں پر بھی اس کو اختیار مل جاتا ہے۔ پس اس کا ایک
 اہم فریضہ ہے کہ اس اختیار کو جائز اور مناسب طور پر عمل میں لائے۔ اچھے
 سلوک کی ابتداء بچوں کے ساتھ ماں کی جانب سے ہونی چاہیے۔ محبت،
 شفقت، عفو، درگزر، خلوص دل سے خیر خواہی، ان کی آئندہ بہبود پر نظر،

حق رسانی، لباس، خوراک، بھوک، پیاس، نیند، بیداری، دکھ، ہمیشہ ساری تعلیم، تربیت، کھیل، کود، جائز خواہشات کا خیال رکھنا اس کی عظیم ذمہ داری ہے۔ اس کو یہ سوچنا چاہیے کہ بچے سل کے بے یاکاٹ کسے پتے نہیں ہو سکتے۔ اٹھتی عمر میں، انگلوں سے، شونیوں سے بھری ہوتی ہیں تقریباً ان کی حرکات اکثر اوقات بے اعتدالی کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ فطرتاً اچھا کھانے اچھا پہننے، اپنی خواہشات کو بہ ابرام و اصرار پورا کروانے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ خلاف طبع رکاوٹ پیش آئے تو جزبہ زہر ہو کر مقابلہ خصوصاً سوتیلی ماں کے ساتھ عناد و سرکشی پر آمادہ ہو جاتے ہیں اس وقت اس کا کام ہے کہ ضبط و تحمل، متانت و سنجیدگی، وقار و شگنی موقع شناسی و بزرگانہ روش کو کام میں لا کر ضروری نرمی اور مناسب گرمی سے ان کو قابو میں لائے۔ بھڑک اٹھنا، طعن طعنہ شروع کر دینا، چیخنا، چلاتا، سخت کلامی پر آمادہ ہو جانا، نہایت نادانی کی حرکت ہے۔ حقیقت ہے کہ بے طور غصہ اور ہمتی ہمیشہ مقابل کو نفرت اور سرکشی پر آمادہ کر دیتی ہے۔ علی الخصوص اس رشتہ میں تو قدرتنا غایت درجہ نزاکت ہوتی ہے مگر تحمل کے یہ معنی نہیں کہ اپنے وقار و بزرگی کو ان کی

کم فہمائے خود سری کے تذر کر دے۔ بچوں کو دائرۂ اعتدال پر قائم رکھتا اور ایسی جہارتوں کو ان کی طبیعتوں سے زائل کرنا بھی اسی کا کام ہے۔

شادی بیاہ کا ج کارن کے موقع پر ماں کو دلچسپی اعلیٰ ظرفی اور ایثار کا مظاہرہ پیش کرنا چاہیے۔ شادی شدہ بچوں کے لئے یہ سوچ کر اپنا گھر گھڑا رکھے کہ یہ ان کا بھی گھر ہے کیونکہ یہ ان کی ماں کا گھر تھا جس کی قائم مقام میں ہوں اور یہ اسی طرح حق دار اب بھی ہیں۔

دنیا میں فسادات کی جڑ حق تلفی ہے۔ اگر سب متعلق ہمتیاں ایک دوسرے کے حقوق پر نظر رکھیں تو ناخوشگوار واقعات پیش ہی نہیں آسکتے۔ دوسرے کو اس کے حق سے کم دینا اور اپنے حق سے زیادہ لینے کی ہوس کرنا انسانیت نہیں درندگی ہے۔ اگرچہ تنازع للبقا کا مسئلہ فطری ہے لیکن اس کے جواز نے ایک انسان کو دوسرے انسان کے کھاجانے کا حق نہیں دیا ہے، جو اس قسم کی ذہنیت رکھے وہ بے شبہ انسانِ مُدا درندہ ہے۔ خواہ وہ ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہو یا اجتماعی شخصیت۔ کوئی شریف اور شریف النفس شخص حق دار کا حق تلف کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ خدا ترس و خدا شناس دوسرے کا حق غصب

کرتے سے لڑتا ہے۔ سوتیلی ماں بھی اگر ان احساسات کی حامل اور ان احساسات پر غائلہ ہو تو ممکن نہیں کہ اس کو اس کا جواب بھی ویسا ہی ملے۔
 بڑے بڑے بھائی، بڑے بڑے بھائی کے اگر ان کے برابر جواب ملے تو پھر سب کچھ
 یقیناً کھنڈ چاہیے کہ نظام قدرت کے ہولناکیاں ہیں۔ نیکی کا عوض بدلتا
 نیکی اور برائی کا بدلہ دے دے براہر ایک کے لئے دنیا ہی موجود ہے۔
 خدا تعالیٰ تعالیٰ بھی ہے اور قہر بھی ہے۔ یہ وہ خدا ہے جو ہر گز
 کوئی دوسری دنیا نہیں دیتی رہتا۔

سوتیلی ماں کو چاہیے کہ بچوں کو سب کچھ دے اور اگر وہ بدلتا
 سب کچھ دے سکتی ہے سوائے مائتائے جس کے لئے وہ قطعاً ناچھوڑے
 اس اعتبار سے کہ جتنی دماغی دماغی ہے تو وہ ہرگز ناخود نہیں
 ہو سکتی۔

سوتیلی ماں کے پیش نظر ہمیشہ یہ بات رہنی چاہیے کہ بچوں کا باپ
 اس کا کہنا اس کی ہر چیز کو وہ بخوہ اپنی سمجھتی ہے۔ پھر اس کے بچے
 اس کے اپنے بچے کس جلتے نہیں ہوئے۔ اس احساس کے تحت وہ بچوں
 کے ساتھ ہرگز بدخواہی، ظاہر واری اور ریاکاری پر عمل نہیں کر سکتی بلکہ

خیر بگالی صداقت، خلوص پر یقیناً ہمیشہ نظر رہے گی۔ بچوں کی قابل تعریف خوش ہونے کے لائق باتیں اسے مسرور کریں گی اور اس مسرت کا اثر بچے محسوس کر کے خوش ہوں گے اور ان بکاواں بڑھے گا اور وہ بھی فطرتاً ہی باتوں کی طین خود بخود ڈالیں ہوں گے۔

ماں ہمیشہ یہ نظریہ ہونا چاہیے کہ کھلاؤں سونے کا نوالہ دیکھوں نہیں کی نگاہ۔ اس کی ذمہ داری صرف یہی نہیں ہے کہ لالہ پیار یا بیزارگی غفلت سے طویا کرنا اس ناں بچوں کے ساتھ اپنا وقت گتہ ارہے بلکہ اس کا یہ کام ہے کہ اس کی تمام زندگی بھر اسے ان کو حقیقی مسرت سے آشنا بنائے، ان کو جیسا درستی جو توں کو دنیا میں لائے۔ ان کی ناروا لائق زبانی سے پتہ چلائے، غافل نہ رہے۔ ان کی راجی پر بھی طاق۔ یہ لوگ کم نہیں ان کے لیے سو اٹھانے کے لیے ان کی جہتوں سے باز رہے تاکہ ان کے دنیویں نارہ اپنے لیے نہ پہنچتے ہیں۔ دوسری باتوں کے لیے غلطی کو جب غلطی کے طور پر سمجھیں اور بتایا جاتا ہے تو اس کا اثر ہونا لازمی ہے۔ بچے متاثر ہوں گے اور اس پرانی کے چھوڑنے کا احساس ان میں پیدا ہوگا۔ بچے جب محسوس کریں گے کہ ماں جو کچھ کہتی یا کرتی ہو وہ

خلوص و بے غرضی پر مبنی ہے۔ باپ کے حضور و غیاب میں اس کا بڑا و ایک
بلکہ پیچھے زیادہ بہتر ہوتا ہے تو وہ ضرور ماں کے وجود کو نعمت اور اس کے
دم کو غنیمت سمجھنے لگیں گے۔

ظاہر ہے خلوص و احسان دشمنوں کی گردن جھکا دیتا اور خونخوار زندوں
کو رام کر لیتا ہے تو چند معصوم بے اختیار ہستیوں کو مانوس و قدر شناس بنالینا
کیا معنی !

باپ

اس معاملے میں مرد کی شخصیت کو جو زبردست اہمیت حاصل ہو اس پر روشنی ڈالنی بھی نہایت ضروری ہے۔ صاحبِ اولاد شخص بچوں کی ماں کے بعد جب دوسری شادی کرتا ہے تو اس کے طرزِ عمل کے بالعموم مینِ طیفقے مشاہدہ میں آتے ہیں۔ یا تو کسی ایک فریق سے مغلوب ہو کر وہ اسی کی طرف جھک جاتا ہے جس سے بد نفس بیوی اور نادان بچے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ناخدا ترس، خود غرض، سنگ دل بیوی ہر وقت ہمہ تن اس فکر میں رہتی ہے کہ کسی طرح بچوں کو باپ کے افادات سے محروم کر دے۔ بچوں کے ساتھ باپ کی محبت اسے گوارا نہیں ہوتی۔ بچہ باپ سے لپٹے، اس کی گود میں جاسیٹھے، باپ بے شفقت بچوں سے ہم کلام ہو، تو ماں کے بے حد پیچ و پنا اور غم و غصہ کا موجب بچوں کی تعلیم، تربیت، ضروریات، خواہشات پر خچ کرنا اس کی انتہائی جبلن کا سبب ہوتا ہے۔ ان کی آئندہ بہبود پر باپ کی ذرا بھی توجہ اسے منظور نہیں۔ اپنے محصلہ اختیارات کی قوت سے ہر

ممکنہ نقصان اور آزار سے، ہمیں متاثر کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتی۔
 نہ صرف صاحبِ شعور بلکہ مشہور کم سن بچوں کے ساتھ بھی یہی طرزِ عمل ہوتا ہے۔
 شوہر کی کمائی مال و مناع، ملک املاک پر اپنے کو واحد قابض یا اپنے
 حقیقی بچوں کو اس کا مالک گردانا چاہتی ہے وہ اپنے دماغ کے کسی حصے دل کے
 کسی گوشے میں اس خیال کو بھی نہیں آنے دینا چاہتی کہ یہ بچے بھی اسی طرح
 حق دار ہیں جیسے اس کے اپنے بچے۔ بچوں کے ساتھ ایسے ایسے برتاؤ
 کی ذہنیتیں رکھتی ہے کہ ایک حق شناس نوکروں اور غلاموں کے ساتھ بھی
 نہیں کر سکتا۔ ان مقاصدِ فاسد کے حاصل کرنے کے واسطے سب سے پہلے
 وہ یہ ترکیب کرتی ہے کہ کسی حال باپ کو بچوں سے ناخوش، متغیر، بد دل
 بے نیاز، اس کے لہو کے پھوش کو دھبہ یا جذباتِ محبت کو کم، بچوں کو باپ
 سے اور باپ کو بچوں سے بیگانہ کر دے۔ جس کے لئے ہر رونا مارا جھوٹ
 سچ، مکر حیلہ، دغا فریب، ریاکاری، ظاہر واری، بے ایمانی، اتہام بانی
 غرض کسی بات سے اسے کوئی باک نہیں۔ میاں کو لٹو اور اپنے ہاتھوں میں
 کٹ پتلی بنا کر جہاں موقع ہاتھ آیا اپنے انچھر چلانے شروع کر دیے اور
 جب بھانپ لیا کہ وارکاری پڑنے لگے ہیں تو پھر اس کے انچھر تو پتھنگ کی

گھنگھناہٹ میں بدل جاتے ہیں اور ان زہریں بجھے ہوئے ہتھیاروں کا نہایت خیرہ سری بے رحمی اور ڈھٹائی سے استعمال شروع ہو جاتا ہے باپ بچوں کو پٹوانا چاہتی ہے تو پٹوالیتی ہے۔ نا اہلیت، بد شوقی، کندھنی دھوکا بازی کے الزامات لگا کر ان کے تعلیمی وسائل کو مسدود کرتی ہے بری سے بری غذا اور بد سے بدتر لباس کا انھیں سزاوار بنا لیتی ہے خود باپ کی زبانی کہلو کر انہیں گھر سے غلطی دے کر واہتی ہے۔ شاہی بیاہ کے موقعوں پر اگر اس کے بس میں ہو تو رشتہ قائم ہونے والے خاندان میں ایسے اثرات پھیلا دیتی ہے جس سے بچوں کی ازدواجی زندگیاں ناخوشیوں کا شکار بن جائیں۔ بچوں کی ماں اور اس کے اہل خاندان کے متعلق بدگوئی، بدزبانی، طعن، تشنوں سے ان کے کلیجے چھلنی کرتی رہتی ہے۔ مرد بہ نسبت عورت کے چونکہ تن پرور اور لا آباالی ہوتا ہے، نفسانیت و آرام کے مقابلہ میں اسے احساس تک نہیں ہوتا کہ بچوں پر کیا ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں۔ کبھی کبھی جذباتِ محبت اسے متاثر کرتے بھی ہیں تو اس کی یہ مثال ہوتی ہے کہ ایک ہوا کا جھونکا آیا اور نکل گیا۔ بچے بھی سمجھنے لگتے ہیں کہ ان کا باپ خواہشاتِ نفسانی میں پڑ کر ان کے

جائز حقوق سلب کروا رہا ہے۔ ان کا باپ اب ان کا باپ نہیں رہا۔ ماں کو تو دشمن جانی تصور کرتے ہی ہیں۔ باپ کی بے وقعتی اور اس کو بھی نیا ایک قلبی نفرین پیدا ہو جاتا ہے۔

بعض اوقات بچوں کا پہلو غالب ہوتا ہے۔ باپ کو بچوں سے غیر معمولی اور باعاقبت اندیشانہ محبت ہوتی ہے۔ اس کی الفت و خبر گیری ماں کے ایشار و مانتا، اس کی بے جا چاہت، لاڈ پیار، نانا نانی، داد و ادائی کے چاؤ چوہلوں کو مات کر دیتے ہیں۔ آسائش و آرام خواب و خور سب بچوں پر قربان۔ جو بچہ کرے وہ بجا، جو وہ کہے درست۔ مثلاً اگر بچہ کسی کو قتل بھی کر دینا چاہے تو وہ کہے کہ ”خالی نہ جانے دو میرے بچے کا پہلا وار ہے“۔ باپ کا یہ طرز عمل خود تحقیقی ماں کو شاکی بنا دیتا اور بسا اوقات میاں بیوی کی شکر رنجیوں کا باعث ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے ایسے بگڑے ہوئے بچے سوتیلی ماں کے ساتھ کیا سلوک کر سکتے ہیں۔ نت نئی سرزوریاں، طرح طرح کی ناہنجاریاں، عدول حکمی، جاہمی مقابلے، زباں درازی کے مرکب ہوتے اور ہر بات خواہ کتنی ہی درست کیوں نہ ہو۔ ماں کے چھیڑنے، جلانے اور تنگ

کرنے کی غرض سے اس کے برخلاف عمل کرتے ہیں اور باپ کی یہ کیفیت کہ تول سے فصل سے طرزِ رہائش سے بیوی ہی کو دبوچتا ہے۔ قسم قسم کی شدتیں طح طح کی بندشیں اسی پر عائد ہوتی ہیں۔ اس کے جذبات و احساسات آرام و راحت، تکالیف و مشکلات کا مطلق احساس نہیں کیا جاتا۔ گویا اس کا مطلق نظر صرف یہ ہوتا ہے کہ بیوی محض گھر کی سنبھال اور بچوں کی خدمت گزاری کے لئے لائی گئی ہے جس کی وجہ سے اس غریب کے لئے رات دن کے چوبیس گھنٹے دوزخ کا غیر ختم عذاب بن جاتے ہیں۔ یا تو بیچاری جل جل کے راکھ ہو جاتی ہے یا کسی مرضِ مزمن کا شکار۔

کبھی مردِ ادھر کا ہوتا ہے نہ اُدھر کا۔ ایک عالمِ برنج میں آؤں رہتا ہے جس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ سوتیلی ماؤں کے مظالم کے مظاہرے ہر عام طور پر مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں اور باپوں کی بے خبری بیوی کے بندھوا ہو جانے پر مصلحانِ قوم نے جو خوب لے دے کی ہے اس نے مردوں کے ذراکان کھول دیئے ہیں۔

دوسرے اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو مرد اپنے بچوں پر دوسری بیوی کو لاتا ہے وہ خود سوتیلی ماں کے سباعانہ سلوک کا نشانہ بن چکا ہوتا ہے۔

تیسرے سوتیلی بچوں کی زیادتیوں سے بھی بے خبر نہیں ہوتا۔ اب وہ یہ چاہتا ہے کہ نہ ماں بچوں کے آزار کا سبب بنے نہ بچے ماں کو تکلیف پہنچائیں، گویا دونوں کو ایک نقطہ اعتدال پر رکھنا چاہتا ہے۔ بے شبہ نظریہ تو بہت ہی درست لیکن عمل اصولاً صحیح نہیں ہوتا کیونکہ وہ بیوی اور بچوں کے معاملات میں خود دخل نہیں دیتا۔ ہر ایک کو اس کی طبیعت اور افتاد پر چھوڑ دیتا ہے۔ جب دونوں فریق اپنی اپنی طبیعت کی رفتار پر چلیں تو لازماً اپنی خواہش، اپنی خوشی، اپنی مصلحت کے تحت بے تحاشا افعال کا ارتکاب کریں گے۔ نہ ماں کو بچوں کی پروا نہ بچوں کو ماں کا پاس۔ ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ ایک ہی گھر میں رہ کر ایک ہی معاشرت کے پابند ہو کر ہر ایک اپنی دیرھائی کی مسجد الگ بنانی چاہے، باہمی تعاون کا کوئی لحاظ نہ کرے، باہم دگر معاشرتی سہولتوں کا مطلقاً خیال نہ ہو، ایک دوسرے کے رنج غم، خوشی مسرت دکھ بیماری، احساس و ہمدردی، احتیاج و خواہش سے بے نیاز ہوں تو وہ گھر نہیں جنجال ہے۔ کونسی ہستی ایسے ماحول میں مطمئن و مسرور رہ سکتی ہے۔ اس لئے مرد کے ان تینوں طریقوں میں کوئی ایک بھی مستقیم و استوار طریق نہیں۔

گھر ایک چھوٹی سی ریاست کی حیثیت رکھتا ہے۔ سبب تک کہ ریاست میں سیاست و ریاست تنظیم و تنسيق، ضوابط و قوانین کا نفاذ نہ ہو، قاعدہ و ضابطہ کی بجائے پرنسپل پیراؤں اس کی پابندی پر مجبور نہ کیا جائے۔ ہر متعلقہ افراد و جماعت کے حقوق کی حفاظت نہ ہو۔ اس میں امن و نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ جس کا بالکل ہی ذمہ دار رئیس پرنسپل یا ڈکٹیٹر ہے۔ اسی طرح گھر کے تعلقات کو میزان اعتدال پر قائم رکھنا، ماں اور بچوں ہر دو فریق کو حق شناسی و حق گزاری کے مرکز پر لانا، تمام و کمال مرد کا کام ہے۔ اس کے واسطے اسے بہت بڑے ایشیا ن غایت درجہ بیدار مغربی اور نہایت دانشمندی کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے اس کو بیوی کے انتخاب میں بہ وقتِ نظر عمل کرنا چاہیے۔

ہندوستان میں بیسیوں بلکہ سیکڑوں مثالیں اب بھی اگرچہ کہ نسبتاً کم موجود ہیں کہ مرد اپنی طبقے کی عورت سے تعلقات پیدا کر لیتے یا اسے بہ جالہ عقد لے آتے ہیں، اور بہ مصداق راجا کے گھر آئی رانی کہلائی اس کو زوجیت کے تمام حقوق بخش دیتے ہیں۔ ایسی عورت گھر والی کی جگہ تو لے لیتی ہے، مگر گھر والی کی اہلیت نہیں پیدا کر سکتی۔ اس کی ذہنیت ذلیل

خیالات ناپاک، زبان فحش، عادات پست اور عمل کا مذموم ہونا ضروری ہے
 رذیل سے رذیل افعال اور سخت سے سخت مصیبت کا ارتکاب اس کے لئے
 ایک معمولی سی بات ہوتی ہے۔ چونکہ اس کا احترام نہ اہل خاندان سے
 ممکن ہو سکتا ہے نہ بچوں سے عمل میں آنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ وہ عورت
 بچوں، خاندان والوں، سب سے مرد کو بیگانہ ہی نہیں بلکہ ان کا دشمن
 بنا دیتی ہے۔ ایسے تعلقات پشت در پشت اپنے زہریلے اثرات پہنچاتے
 ہیں اور تمام عمر کے لئے خاندان میں ایک گھن سا لگ جاتا ہے۔

اکثر مردوں کو دھن ہوتی ہے کہ جو ان خوبصورت، پیسے والی بیوی
 کو لائیں۔ شرافت افعال اور سیرت و کردار سے بالعموم قطع نظر کی جاتی ہے
 یقیناً کوئی انسانی ہمتی جامع الکملات تو ہو نہیں سکتی، عموماً اخلاقی
 پرست پہلو سے سابقہ آ پڑتا ہے جس کی وجہ سے ماں اور بچوں کے تعلقات
 اس قدر کشمکش خیز اور عبرت انگیز ثابت ہوتے ہیں۔

دوسری بیوی لانے سے قبل

صاحبِ اولاد شخص کو دوسری بیوی لانے سے پہلے حربِ ذیل نکلتے پیشِ نظر رکھنے چاہئیں :-

- ۱۔ ایسی بیوی کی تلاش جو ہم کُف اور شریفانہ کردار کی حامل ہو۔
- ۲۔ اسے خود قلبی اطمینانِ سچی خوشی کس طرزِ عمل سے میسر آسکتی ہے۔
- ۳۔ بچوں کے حقوق کی بجائے آوری اور حفاظت کے لئے کس درجہ ایشیاء بے نفسی اعتدال و تدبیر کو کام میں لانا ہوگا۔
- ۴۔ دوسری بیوی انسان ہی ہوگی۔ بے جان پتلا بے حس تصویر یا پتھر کی مورت نہیں ہو سکتی۔ اس کے بھی جائز جذبات، مناسب خواہشات، متعلقہ حقوق کی ادائیگی اس پر لازم ہوگی۔
- ۵۔ نئی بیوی سے نئی اولاد بھی وجود میں آئے گی جو پہلے بچوں کی طرح اس پر استحقاق رکھے گی۔

اپنے مزاج میں معیارِ عدل پر پورا اترنے کی اہلیت پائے تو دوسری

شادی کا ارادہ کرے، برے اپنی بچوں کی اور آئے والی کی زندگی کو عذاب الیم
 میں مبتلا کر دینے کا جواب دہ وہ خود ہے۔

میری فکر ہے کہ اللہ کے بعد وہ کو چاہیے کہ تمام ذلیل بستیوں کو خصوصاً
 یہی تین بچوں کے لیے اللہ کو فائدہ کرنے والی ہوں، بے دخل کر دے۔ اپنے
 گھر اور بچوں کے معاملات کو تمام و کمال بیوی کی سپردگی، اگر انی اور قبول
 کرے، تو اس کی حیثیت بہت اچھی ہوگی، ذہن نشین کرے کہ کیا
 کہہ رہا تھا، وہ وہاں ہے۔ اس کے ذہن کا وہاں رہا ہے، روپے پیسے کے
 لیے سب بچے، نئی اولاد پر قدر، استحقاق، و سب سے مستحق ہوتا
 بیوی میں نہ رہتا ہے، تیرا وہ کھینچنے والا ذہنیت ہے، میں یہاں سے دینا مگر
 اللہ کی بارگاہ ہے۔ ساتھ چہرہ بیوی اور خیریت کلی دے گا، اس سے ہرگز یہ نہ کرنا
 چاہیے کہ "بغیر طلاق کی روحانی فراغت کسی پہ ڈالنا دوبار اپنا" اس کو
 اپنے آپ پر غلط فہمی، اسان بیوی بچوں کے تعلقات کی خوشنواری و خوشی
 کا اندازہ کرتے، اپنا نہایت ضروری ہے، اور جہاں بیوی کے طرز عمل کو دیکھ
 احتمال سے متبادر دیکھتے فوراً انسدادی طریقہ کا اختیار کرے۔

یہی طرز بچوں کے ساتھ بھی ضروری ہے، اپنے بچہ پرے کے دانت

آپ ہی پہچان سکتے ہیں۔ بچوں کے عادات و اخلاق طبیعت و مزاج، سلوک و برتاؤ، زبان و کلام سے وہ خوب واقف رہتا ہے۔ اس کا لحاظ کرتے ہوئے ہر موقع مناسب پر ان کی اصلاح اسے بہت کرنی چاہیے۔ نئی ماں کا احترام و وقار قائم کرنا اس سے انہیں مانوس و مائل بنانے کے واسطے بہم پہنچانا اس کا کام ہے۔ بچوں کو اگر صاحب شعور بنانا چاہیے کہ ماں کے حقوق کی حفاظت ان پر لازم ہے۔ اور بے شعور ہیں تو شرمیلی سے انہیں اس رفتار پر لائے اور شرمیلیانہ احساسات کا انہیں غامدی بنائے۔ بچے خصوصاً لڑکے اکثر سوتیلی ماں کو ساقیہ بناتے ہیں۔ لڑکیاں و نکست خانہ پرناؤ پر تیار ہو جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ سوتیلی ماں کو سوتیلی ماں کی جگہ پر بیٹھے۔ باپ کو اس امر کا خیال نہ ہو۔ سوتیلی ماں بچے کے ساتھ ہرگز جرات نہ کرنے پائیں۔

بعض باپوں کا یہ طرز عمل ہوتا ہے کہ اپنی نشوونما کے سامنے بچوں کو بے حد رعب میں رکھتے ہیں۔ بات چیت نہ کیل کو دشواری شراست کسی بات کے لئے باپ کی موجودگی میں ہنس نہیں سکتے۔ خلائف و رزی کا خیال تک دل میں نہیں آئے پاتا۔ باپ کی

فظروں کو بھانپ کے اس کے مزاج کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھال لیتے ہیں۔ پڑھنے لکھنے کی بھی طرف مائل ہیں بے چون و چرا اطاعت کے لئے بھی آمادہ۔ گویا باپ کے سامنے بھیگی بلی بنے رہتے ہیں لیکن جو نہی باپ کی پیٹھ مڑی اور پنجرے سے شیر چھوٹے۔ اتنا ہی پھراٹھیں گے جتنا کہ دبا دیں گے کی مصداق شدید ردِ عمل شروع ہو جاتا ہے۔ بے تحاشا شوخیاں بے حجابا ثرا تیں بے دھڑک شورشیں، قسم قسم کی عدول حکمیاں، ناروا شوق، بے جا خواہشات کے پورا کرنے پر خواہ وہ کسی عنوان سے ہو اصرار۔ قلم، دوات، کتاب، کاغذ سب طاقِ نسیاں کی نذرِ عافیت اور اُڈا ہوا آیا ہے برس کر ہی رہے گا۔ پھر جو نہی باپ کے آنے کی بل چل سنی اور اپنے اپنے کونوں میں دبک گئے۔ سوتیلی ماں کو اس کے اندام میں جو عجیب شکل پیش آتی ہے وہ قابلِ توجہ ہے۔

اس کے روکنے ٹوکنے یا زرخنے کو بچے اس پر محمول کرتے ہیں کہ چونکہ وہ سوتیلی ماں ہے اس لئے ان کی خوشیوں میں حائل آتی ہے اس غنیمت کے تحت وہ اور بے قابو ہوتے ہیں۔ اگر ماں مغلوب ہو گئی تو پھر ہمیشہ کے لئے اس کا کوئی اثر قائم نہیں رہ سکتا اور اگر ماں سنگین طبع، مستقل مزاج ہے تو

بچے شکستہ خاطر و ناخوش باپ کے سامنے اظہار کرے تو خود باپ کو خیال ہو کہ یہ یوی ہی میں تربیت و دباغت کا مادہ نہیں ہے، یا ان کے ساتھ مادرانہ دلچسپی نہیں لیتی۔ اگر بچوں کو تنبیہ کرتا ہے تو بچے سمجھتے ہیں کہ ماں نے شکایت کر کے باپ سے انہیں تکلیف پہنچوائی اس لئے باپ کو چاہیے کہ بچوں کو ایسا اٹھائے اور ان کے ساتھ ایسا طرزِ عمل رکھے کہ بچے جو اس کے سامنے کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے وہ اس کے پیچھے کرنے پر بھی دلیر نہ ہو سکیں۔ اور جو بچے اس کے خوگر نہ ہوں ان پر باپ کو برا بھلا بُنا نظر رکھنی چاہیے اور بذاتِ خود اس کا اسناد کرنا چاہیے۔ ماں کو بچوں کی زیادتیوں کے حوالے کر کے چپ چاپ بے خبر رہنا اس کی بڑی ناانصافی ہے۔ باپ کو اس حقیقت سے خبردار ہونا لازمی ہے کہ بچوں پر اس قسم کا رعب خود اس کو بھی زیادہ دنوں تک صاحبِ وقار نہیں کر سکتا کیونکہ ایسے بچے بڑے ہوتے ہی باپ کو بہ منزلہ بدِ فضول تصور کرنے لگتے ہیں اور بغیر اس کی بزرگی کا پاس اور احترامِ پدری کا احساس کئے منی کار روایاں شروع کر دیتے ہیں مگر وقت از دست رفتہ تیراز کماں جستہ اس وقت باپ کو سوائے اس کے کہ ٹنگ ٹنگ دیدم دم نہ کشیدم کوئی

چارہ کا نظر نہیں آتا۔

اگرچہ اس میں شک نہیں کہ مرد کی پوزیشن اس معاملہ میں بڑی نازک ہوتی ہے۔ بیوی کا ساتھ دے تو بچے بجائے اپنی غلطیوں کو محسوس کرنے اور اس کے معترف ہونے کے ماں سے بدظن اور باپ سے گریزاں ہو جاتے ہیں اور بچوں کی حمایت کرے تو بیوی اپنی زیادتیوں کو نہ مان کر بچے ہوتی ہے۔ دونوں صورتیں اس کے آرام و سرور کو صدمہ پہنچانے والی ہوتی ہیں۔ لیکن اس قسم کی وقت ابتداء پیش آئے گی مگر رفتہ رفتہ بیوی اور بچے دونوں درست و بے لوث ہدایت اور ضروری و مناسب تنبیہ کے عادی ہوتے جائیں گے۔

ورثہ اور نر کے کے معاملے میں بھی مرد کی غفلت بڑے مضر نتائج پیدا کرتی ہے۔ صاحب جائیداد شخص کو اپنی زندگی ہی میں اس کا باقاعدہ انتظام کر دینا چاہیے، تاکہ حق بہ حق دار برسد۔ اس کے بعد بیوی بچوں کو اور بچے بیوی کو بے حق کرنے کے درپے نہ ہوں۔ اگر حق شناسی و حق گذاری کا احساس دونوں جانب ہو تو جس قدر جس کا حق ہے اس کے لینے پر ممانعت اور حرب استحقاق دینے کا حوصلہ خود بخود موجود رہتا ہے مگر

عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ ہرزبردست بہتی دوسرے کو محروم کر دینے میں کوئی کسر نہیں باقی رکھتی۔

اس لئے تو ریٹ کے مسئلہ کو نزاعات سے پاک صاف چھوڑنا مرنے کی گرانبار ذمہ داری ہے۔

۶۔ بچے۔ بچوں کا بھی شائستہ غیر مزید، اطاعت گزار نافرمان، غریب و سنجیدہ، شرمیلے و بے تحاشا، نیک طبیعت و بد نفس ہونا، تعلقات کو اچھایا برائے بنانے میں بہت دخل رکھتا ہے۔

سوتیلے بچے

بچوں کی تین حیثیتیں ہوتی ہیں :-

۱۔ کم عمر نادان بچے جو خاچ از بحث ہیں۔ ان کے لئے ماں ہی گتہ

نمودار ہے۔

۲۔ درمیانی عمر کے بچے، چونکہ اٹھتی عمر میں ہوتی ہیں، شوخی و شہارت

کی پوٹ ہوتے ہیں۔ مگر اکثر شہارت محض سادہ شہارت، طفلانہ شوخی اور لڑکچن کی بے عنوانیوں کی حد تک نہیں ہوتی بلکہ بد طبیعتی، کھوٹے پن اور

خجستِ نفس پر مبنی ہوتی ہے۔ ماں کی عمدہ خلاف ورزی کرتے ہیں، اوبدا

اوبدا کے وہی کرتے ہیں جس سے روکا جائے۔ دل و دماغ سوتیلی ذہنیاتوں

سے اس قدر آلودہ ہوتے ہیں کہ ماں کی ہر ایک بات کو خواہ وہ کسی نیت

سے کی گئی ہو، غرض اور جلن پر محمول کرتے ہیں۔ ماں کا کھانا، پہناؤ اس کے

عزیزوں کا آنا جانا، باپ کی ماں کے ساتھ خوش معاملگی، ایک نظر نہیں

دیکھ سکتے۔ اس کے قول پر گرفت اس کے فعل کی جستجو۔ چھپ چھپ کے

ایک ایک چیز کی تلاشی لی جاتی ہے۔ کیا لکھتی ہے کیا پڑھتی ہے، کیا لیتی ہے کیا دیتی ہے، کیا اٹھاتی ہے کیا دکھتی ہے، کہاں جاتی ہے، کس سے ملتی ہے۔ ماں کے عزیزوں کے ساتھ نہایت بدخلقی اور بدسلوکی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ماں کو ماں کہنے میں عار سمجھتے ہیں۔ اپنے اوپر زیادہ سے زیادہ صرف کروانے کے درپے ہوتے ہیں تاکہ ماں کے لئے کچھ رہنے ہی نہ پائے۔

۳۔ جوان بچے۔ علاوہ مذکورہ صورتوں کے ان کا طرز عمل اور دُرُ

طرح کا ہوتا ہے :- باتو بے پروا الگ تھلگ رہتے، اس کے ساتھ اغماض و بے نیازی برتنے، اس پر کچھ ہی گزر جائے پلٹ کر دیکھنے کی بھی تکلیف نہیں گوارا کرتے۔ یا اس میں رل مل جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ایسی حرکات کا ارتکاب کرتے ہیں جس سے باپ بدظن ہو جائے چشم دید واقعات ہیں کہ اس کی بنا پر دو تین گھروں میں بیویوں سے علیحدگی ہو گئی اور ان حالیکہ وہ مطلقاً بے قصور تھیں۔

ماسوا اس کے باپ کی زندگی تک تو کچھ اس کے رعب، کچھ محبت، کچھ باپ کی ناخوشی کے خیال سے رُکے تھے رہتے ہیں مگر باپ کی آنکھ بند ہوتے ہی عام اس سے کہ ماں نے کیسا ہی سلوک رکھا ہو اس کے ساتھ

نہایت درجہ بدسلوکی کو رو رکھتے ہیں گویا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دیرینہ چلن کی دینی چنگاریاں ایک دم بھڑک اٹھیں اور انتقام کا وقت آگیا۔ واقعہ ہے کہ ماں کے ساتھ ایسی شرمناک حرکتوں اور ذلیل برتاؤ کے مرتکب ہوتے ہیں جس کے بیان پر قلم نہیں اٹھ سکتا۔

افسوس تو اس کا ہے کہ جاہل اور ادنیٰ طبقتوں ہی میں نہیں بلکہ متوسط اعلیٰ اور تعلیم یافتہ گھڑ بھی اس بدعت سے پاک نہیں۔

بچوں کی اس ذہنیت کی بالکل یہ اصلاح ہونی ضروری ہے۔ سوتیلی ماں کے حالات میں فرق ہوتا ہے۔ بچوں میں یہ شعور پیدا کرنے اور صاحب شعور بچوں کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ان پر سوتیلی ماں آئی ہے تو وہ کس حیثیت سے آئی ہے آیا ان کی ماں کی طرح ایک شریف لڑکی، شریفانہ کردار کی حامل، شریفانہ طریق پر ان کے باپ، اہل خاندان کی خوشی و خواہش سے اس گھر میں اسے جگہ دی گئی ہے، یا خود بخود در آئی ہے۔ جب ان کی ماں کی جگہ لائی گئی ہے تو اس کے بھی اس گھر میں تمام حقوق ان کی ماں کے بڑے لازمی ہوں گے۔ اگر ان کی ماں بھی ہوتی تو تمام خواہشات و ضروریات زندگی پر وہ بھی اپنے شوہر کا پیسہ صرف کرتی اور کسی کو بھی اعتراض نہ ہوتا۔ لہذا

سوتیلی ماں کے مصارف پر بھی ہرگز اعتراض نہ ہونا چاہیئے۔ اگر فطر تا وہ اس سے محبت نہیں کر سکتے تو اس کی وقعت، احترام، اس کی اطاعت و فزاں برداری اس کے ساتھ اخلاق و انسانیت کا برتاؤ اس کے حقوق کی حفاظت اس کی بزرگی کا پاس ان پر لازم و لابد ہے۔

ماں اگر مساوی درجہ کی نہ بھی ہو، ادنیٰ اُپست اخلاق ہی ہو، پھر بھی ماں ہے انسان ہے اس کے ساتھ بھی وحشیانہ اور غیر شریفانہ سلوک اور حق تلفی کیجئے ہرگز ہرگز مجاز نہیں۔

سو نیلے بھائی بہن عموماً عزیز چھوٹے ہوتے ہیں ان کے بارے میں بھی یہ بچے نہایت غیر منصفانہ احساسات رکھتے ہیں۔ اپنے کو تو باپ کی ہر چیز کا جائز وارث صحیح سستی تصور کرتے ہیں۔ مگر اس کے ور پے ہوتے ہیں کہ انہیں کچھ نہ ملنے پائے ان سے متعلق کسی بات پر صرف نہ ہو۔ ہر ممکنہ کوشش سے انہیں باپ کے فیضان سے محروم کر دیں۔ بچے کیوں نہ یہ ذہنیت پیدا کریں کہ ہماری حقیقی ماں کی ہی اتنی اولاد ہوتی تو سب باہم برابر کے شریک ہوتے۔ چنانچہ سوتیلی ماں کی اولاد کو بھی اتنا ضرور ملنا چاہیئے جتنی ہماری اپنی خواہش ہماری ضرورت اور ہمارا استحقاق ہے۔

خاقہ

یہ سب کچھ مصلحانہ تاثرات کے تحت لکھا گیا ہے اور بالکل صداقت و
وضاحت کے ساتھ ہر متعلقہ فریق کی خامیوں، محتاج اصلاح ذہنیوں،
کمزور پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوست اُن بہ کہ از معائب دست، بچھو آئینہ روبرو گوید
اس دور میں جب کہ ایک اصلاحی روح اکثر افراد قوم کے پیکر میں کار فرما
ہے، اس سیدہ شوکتی ہے کہ اس پر عملاً توجہ کی جائے گی اور میرے نظریے
عام اجتماعی اسپرٹ کے جانے سے مزین نظر آئیں گے۔

ادارہ ادبیہ اردو کی مشہور و معروف کتابیں

مرقع سخن (جلد اول) حیدر آباد کن کے پچیس شعرائے دورِ آصفیہ کا بالقویہ تذکرہ

پچاس سے زیادہ قصا ویر اور چار سو سے زیادہ صفحات مجلد قیمت ۷

مرقع سخن (جلد دوم) حیدر آباد کن کے پچاس دیگر شعرائے دورِ آصفیہ کا

بالقویہ تذکرہ پچاس قصا ویر چار سو صفحات مجلد قیمت ۷

سراج سخن۔ انتخاب کلام شاہ سراج اوزنگ آبادی مرتبہ پروفیسر عبدالقادر شری

مع سوانح شاہ سراج۔ صفحات ۴۰ قیمت ۱۲۰ ار

ایمان سخن۔ انتخاب کلام شیر محمد خاں ایمان مرتبہ سید محمد صاحب ایم

مع سوانح ایمان صفحات ۲۰ قیمت ۱۲۰ ار

فیض سخن۔ انتخاب کلام حافظ میر سید فیض مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین

صاحب قادری زور مع سوانح فیض صفحات ۴۴ قیمت ۱۲۰ ار

بادہ سخن۔ انتخاب کلام ڈاکٹر احمد حسین امل مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری

مع سوانح تصویر صفحات ۱۲۸ قیمت ۱۲۰ ار

کیف سخن۔ انتخاب کلام سید فی الدین حسن کیفی مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری

مع سوانح و تصویر صفحات ۱۲۲ قیمت ۱۲۰ ار

متابع سخن۔ انتخاب کلام نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین

قادی زور مع سوانح و تصویر عزیز صفحات ۱۲۵ قیمت ۱۲

ورڈز ورتھ اور اس کی شاعری۔ مشہور انگریز شاعر کے حالات اور کلام پر

تبصرہ از مولوی حسین صاحب ام اے۔ مع تصویر شاعر صفحات ۸۴ قیمت ۴

بیگم اور ان کی شاعری۔ ہندوستان کے مشہور شاعر ابن زمانہ ٹیکور کے حالات

اور کلام پر تبصرہ از مولوی محمد مع محی الدین صاحب ام اے۔ مع تصویر شاعر صفحات ۱۲۵ قیمت ۴

یوسف ہندی قید فرنگ میں۔ مرزا غالب کی قید فرنگ کے حالات مرتبہ

مولوی حسن بن شبیر صاحب بی اے۔ ال ال بی صفحات ۸۰ قیمت ۸

ہوش کے ناخن (ڈرامہ) حیدر آباد کی سماجی زندگی کا خاکہ مصنفہ محمد مع محی الدین

حیرن صاحبان صفحات ۹۶ قیمت ۴

نذر ولی۔ ولی اورنگ آبادی کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی مضامین کا

مجموعہ از لطیف النساء بیگم ام اے۔ نجم النساء بیگم ام اے جہاں بانو بیگم ام اے۔ نعیم النساء بیگم

ام اے صفحات ۲۴۸ قیمت صرفہ حال ۸

نقد سخن۔ کلام خانی پر نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز کی تنقیدوں کا مجموعہ صفحات ۶۹ قیمت

گرمیہ و بسم۔ صاحبزادہ میکش مدیر سب سے کی نظمیں اور غزلوں کا بہترین مجموعہ ہے

جناب میکش حیدر آباد کے فوجی شعرا میں ایک خاص امتیاز کے مالک ہیں اور ان کا

کلام بہت مقبول ہے۔ عالی جناب ڈاکٹر زور صاحب کا دیباچہ عمدہ ہے اور جناب پروفیسر

عبدالقادر صاحب سروری کا مقدمہ بھی اس کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ شاعری سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔

”صاحبزادہ میکیش کا شمار اردو کے ان نوجوان شعراء میں ہے جو اپنے شاعرانہ وجدان کو محض ادبیات تک محدود نہیں رکھتے بلکہ جنموں نے اپنے لئے خیال و بیان کے کچھ نئے میدان بھی پیدا کر لئے ہیں۔ اس شاعر کا شباب گل و بلبل سے گذر کر اس حالت تک پہنچ گیا ہے جہاں نوجوان شاعر بکھارا ٹھٹھا ہے کہ

قرار ہے قرار یوں کا نام ہے شباب میں سکونِ زلیات پارہا ہوں اضطراب میں
 اس ”عبد اضطراب“ آئینہ دار شاعری کا یہ جدید کتب ہے جس میں فکر و شعر اب بعنوان ”دگر“ ہے۔ جذباتی نفیس بھی ہیں بعض بعض بہت ہی خوب ہیں
 تغزل بھی ہے لیکن اس کا رنگ بھی ”جدید“ ہے اور قدیم ”نہیں ہو۔
 نوجوان حمید آباد کی شاعری میں جو ذوقِ جذبہ یہ پیدا ہو رہا ہے اسی کا
 نقیب ”گریہ و تنہم“ ہے اور اس نقطہ نظر سے ہم ان اور ان کے اخیر مقدم کرتے
 ہیں۔ جناب میکیش کا یہ ذوقِ کلام مقبول عام ہوگا۔ قاضی عبدالغفار پیراہن
 صفحات ۱۹۲ طباعت و کتابت نفیس کاغذ اعلیٰ قسم جلد پر نہری نام قیمت ۵
 من کی جتیا۔ صنعتِ نازک کی ضرورتوں اور زندگی کی تلخیوں کے شعلہ مگر کنہ آلا راہ
 مشور سے۔ اس دلچسپ ادبی کتاب میں حسب ذیل عنوانوں پر بڑی مفید اور

اور کار آمد باتیں لکھی گئی ہیں، گھر، سواری، ہمارے نوکر، خور و نوش، لباس بچوں کی تعلیم اور ان کی ضرورتیں، اخبار، مینی، کتابیں، نذر و نیاز، چندے مختلف رسومات، سینما، فیشن وغیرہ ہر تعلیم یافتہ گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔ کتاب بہت خوب صورت اور مجلد ہے، مصنفہ محترمہ لطیف النساء بیگم صاحبہ

صفحات (۸۰) قیمت صرف آٹھ آنے (۸)

مشاہیر قند ہار و کن۔ اس تذکرہ میں مولوی اکبر الدین صاحب صدیقی بی اے نے وکن کے مشہور و معروف اور مرموم خیر خٹہ قند ہار شریف کے معزز خاندانوں اور ان کے پاکمال و ایہ ناز افراد کا اجمالی خاکہ کھینچا ہے۔ پروفیسر عبد المجید صاحب صدیقی استاد تیانج جامعہ عثمانیہ کا بعیرت افروز مقدمہ اس کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ قند ہار شریف وکن کا بلگرام سمجھا جاتا ہے اور محمد تعلق کے زمانہ سے آج تک وہاں کی سر زمین سے بڑے بڑے اولیاء علم، شعرا اور شاہیر پیدا ہوتے رہے ہیں۔ وکن کے مختلف شہروں اور قصبوں میں قاضیوں، خطیبوں، محاسبوں اور دیگر اہل خدمات شرعیہ کے خاندان آباد ہیں۔ ان میں سے اکثروں کا تعلق قند ہار شریف ہی کے بزرگوں سے ہے اس لئے یہ کتاب وکن کے شرفاء اور بزرگوں کا ایک مستند اور بسوط تذکرہ سمجھی جاسکتی ہے اور اس کے مطالعہ سے یہاں کی علمی و ادبی چیل چیل کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

صفحات (۱۸۳) تعداد نقلا ویر (۹) قیمت حد

سرگزشت غالب۔ اردو اور فارسی کے شہور شاعر و ادیب مرزا اسد اللہ خاں غا۔
 کی حیات، کارناموں اور اعزہ و احباب کا ایک محلِ تذکرہ ہے جس کو ڈاکٹر
 سید محی الدین صاحب قادری زورام۔ ا۔ پی۔ اچ، ڈی (لندن) پروفیسر ادبیات اردو
 جامعہ عثمانیہ نے نہایت تحقیق اور محنت سے مرتب کیا ہے۔ بڑی سائز صفحات ۹۴ قیمت ۸
 من کی وُنیا۔ حیدرآباد کے نوجوان افانہ نگار رشید قریشی کے افانوں کا نفیس
 مجموعہ ہے۔ رشید قریشی کے افانے سب سے اور دیگر رسائل میں شایع ہو کر بہت مقبول
 ہوئے اس لئے اداہہ نے ان کے افانوں کو کتابی شکل میں پیش کیا ہے۔ عالی جناب
 ڈاکٹر زور صاحب کا دیباچہ عمومی اور جناب پروفیسر سردی صاحب کا مقدمہ بھی اس کتاب
 شایع ہوا ہے۔ افانوی ادب سے دلچسپی رکھنے والے ضرور اس کا مطالعہ کریں۔ کتاب
 بہت دلچسپ اور انداز بیان نہایت شگفتہ ہے۔

ہر فسانہ رعنائی خیال اور نگینی بیان کا بہترین نمونہ ہے۔ اردو کے نئے
 ادب سے دلچسپی رکھنے والے اور ترقی پسند نظریوں کے پرستار ان افانوں کے مطالعہ
 سے ضرور محظوظ ہوں گے۔ جو اصحاب اردو کے جدید ترین افانوں کا مطالعہ کرنا چاہتے
 ہیں وہ اس نوجوان مصنف کے ان پر کیف افانوں سے ضرور لطف اندوز ہوں گے۔

صفحات (۱۶۰) قیمت مجلد ۸

مدرسہ میں اردو (جلد) اس کتاب میں مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی
 فنی فاضل نے مدرسہ میں اردو کے نشوونما اور اس کے ارتقاء کی تاریخ پیش کی ہے۔

کتاب کو نواب اب میں تقسیم کیا گیا ہے ہر دور کے شاعروں اور نثر نگاروں کے سوانح حیات اور نمونہ کلام کو پیش کیا ہے۔ تاریخ ادب اردو سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے

اس کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ صفحات ۲۰۰ قیمت مجلد ۴۰/-
نذر دکن (باقتضیٰ) دکن کے متعلق خواتین دکن کے رشحات قلم کو مختصر مکتبہ بیگم

نے خاص ذوق اور سلیقہ سے مرتب کیا ہے۔ اس حسین و جمیل مجموعہ میں تقریباً
بیش ایسی خواتین کے مضامین اور دلچسپ مضامین نظم و نثر شریک کئے گئے ہیں جن کی
شاعری یا نثر اپنی گونا گوں خصوصیات اور دلچسپیوں کی وجہ سے علمی دنیا میں فہم کی

نگاہوں سے دلچسپی جاتی ہے اس متنوع کے قلمی معاونین میں جہاں بانو بیگم صاحبہ لطیفہ
صاحبہ صفحہ بیگم صاحبہ ہادیوں مرزا انیسہ ہارون بیگم صاحبہ شروانیہ نسیم ربانی مرزا

فاطمہ بیگم صاحبہ آؤ بشیر انسا بیگم صاحبہ بشیرا بیگم صاحبہ مسرہ صوفی سارہ بیگم صاحبہ
متنازہ بیگم صاحبہ صفیہ صدیق فریدہ بیگم صاحبہ نقیق فاطمہ صاحبہ انور بیگم
قریشی صاحبہ کبریٰ اقبال صاحبہ عبدالرزاق وغیرہ خاص کر قابل ذکر ہیں۔ اور اس کو

ادارہ ادبیات اردو کے شعبہ نسا کی منتظر اور مدیر سب رس منتظر مکتبہ بیگم صاحبہ
نے مرتب کیا ہے جو اردو انگریزی کی مشہور ماحول نگار اور ادیب مرحومہ بیگم صاحبہ
ابنت لکھنؤ عطاء الملک مرحوم کی دختر ہیں اور جن کو علم و فضل اور ادب و انشا کا
ذوق اپنی والدہ ماجدہ اور نانا سے ورثہ میں ملا ہے۔

یہ مجموعہ ایک ایسا بیش بہا تحفہ ہے جس کے مطالعہ سے عورتیں اور مردوں

مستفید ہو سکتے اور سرزمینِ دکن کے متعلق ضروری معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔
 اس میں صنفِ نازک کے مذاق کی نفیس تصویریں بھی شامل ہیں صفحات ۴۰۴ قیمت مجلد ۱۰
 محرم نامہ۔ ساخہ کر بلا کے متعلق مضمون، مرثیوں، سلاموں، نوحوں اور تصویریں
 عظیم الشان مجموعہ۔ آج تک ایسا محرم نامہ شائع نہیں ہوا اس کے محققانہ اور ادبیات
 مضامین میں واقعاتِ کر بلا اور فلسفہٴ شہادت پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے اور تقریباً پچاس
 شعرا کے مرثیوں، نوحوں اور سلاموں کو تائید وارشاد کیا گیا ہے۔ مرثیہ گو شعراء
 اور مجالس کی نمایاں تصویریں شامل ہیں مجلسوں میں تقسیم کرنے کے لئے اس
 بہتر تحفہ یا تبرک اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ تعداد صفحات ۱۱۲ تعداد تصاویر ۹ قیمت مجلد ۷۔
 روحِ غالب۔ اردو ادبِ فارسی کے مشہور شاعر اور انشا پرداز مرزا اسد اللہ خاں
 دہلوی کی حیات اور کا ناموں کی ایک محلِ سرگزشت اور ان کے بہترین اردو خطوط کے
 دلچسپ ادبی حصوں کا انتخاب جس کو ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادی زور نے نہایت
 محنت اور جانفشانی سے مرتب کیا ہے اس کتاب میں پہلی دفعہ غالب کے خاندان اور
 اعزہ اور ان کے سسرالی اعزہ و اقارب کے تفصیلی شجرے بھی شائع کئے گئے ہیں۔ غالب کے
 حالاتِ زندگی جس خوبی اور اجمال کے ساتھ اس میں درج ہیں آج تک کسی سوانحِ غالب میں
 شائع نہیں ہوئے۔ ۴۰ صفحات با تصویر قیمت ۲ روپے آٹھ آنے (عالم)
 نظام الملک آصف جاہ اول۔ مولوی شیخ چاند مرحوم ام اے ال ال بی (ریٹائرڈ)
 نے بانیِ سلطنتِ آصفیہ کے محلِ حالاتِ مستند واقعاتِ زندگی عوام اور طلبہ کے لئے سلیس

زبان میں تحریر کئے تھے جس کو ادارہ نے کتابی صورت میں شائع کیا ہے صفحات (۴۰) مع تصویر

نظام الملک نصف جہ اول قیمت (۴)

وکن نمبر۔ ہزاروں روپے کے صرفے سے تیار کیا گیا ہے۔ اکثر تصاویر نادر و نایاب ہیں جو پہلی مرتبہ شائع کی گئی ہیں۔ مضامین نظم و نثر نہایت بلند پایہ اور اعلیٰ معیار کے ہیں۔ تاریخ اور خصوصاً دکنی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے اس سے بہترین ذخیرہ معلومات ایک کتاب میں شائع نہیں ہوا۔ تعداد صفحات (۱۹۸) تعداد تصاویر ۲۰ قیمت ۴

اقبال نمبر۔ اس نمبر میں شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم کی حیات اور کلام کے مختلف پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے۔ اقبال کے بعض اشعار کو مصور بھی کیا گیا ہے۔ خاص اقبال کی ایک نایاب تصویر شائع کی گئی ہے جس میں اقبال اپنے اصلی رنگ میں جلوہ گر ہیں۔ تعداد صفحات (۱۹۸) تعداد تصاویر (۹) قیمت ۴

تاریخ گولکنڈہ۔ وہ کتاب جو کئی سال کی تحقیق اور محنت و معلومات کا نتیجہ ہے حیدرآباد کے مشہور مورخ اور جامعہ عثمانیہ کے معلم تاریخ پروفیسر عبد المجید صاحب صدیقی ام اے ال ال بی نے اس کتاب میں سلاطین قطب شاہیہ کی نہایت مستند اور مبسوط تاریخ قلم بند کی ہے۔ تاریخ گولکنڈہ بالتصویر ہے اور اس کی تصویریں بھی اس کے مواد کی طرح قدیم تاریخی ماحول سے حاصل کی گئی ہیں۔ ٹری سائز (۳۳۰) صفحات خوبصورت جلد قیمت تین روپے۔

سب رس۔ ادارہ ادبیات اردو کا دلچسپ علمی و ادبی بالتصویر ماہ نامہ ہے۔ اگر ہر موضوع اہم ہر صنف ادب سے لطف اندوز ہونا ہو تو سب رس سے بہتر کوئی پرچہ اردو میں نہ ملے گا۔ چند علامہ و محمولہ لاک۔ بچوں اور بچوں میں اردو پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا کرنے کے لئے اس کا ضمیمہ شائع کیا جاتا ہے جو بہت دلچسپ اور مفید ہے چند سالہ

